دنیائے اسلام کو موجودہ ترقیاتی دور کا چیلنج

اسلامی اور یورپی تہذیب کی روشنی میں

ایم اے حسین ملک ☆ مترجم نور الاسلام

(سلسلہ کے لئے دیکھئے "فکرونظر" اکتوبر ۱۹۶۹ء)

یورپین ممالک کی تعجب خیز اور ہنگامہ آرا مادی ترقی کے مقابلے میں دنیائے اسلام کے پاس کچھ بھی نہیں۔ چھ سو سال کے جمود نے ان کو ترقی کی مبادیات سے بیگانہ کر دیا ہے۔ مغربی ممالک میں نہایت اعلیٰ تعلیمی معیار اور بلند معیارِ زندگی کے مقابلہ میں زیادہ تر مسلمان ممالک آج انتہائی غربت، جہالت اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کے شکار ہیں۔ سماجی تحفظ اور زندگی کی دوسری ضرورتیں اور آسانیاں جو یورپ میں سب کے لئے یکساں طور پر موجود ہیں، اسلامی دنیا میں تقریباً ان کا فقدان ہے۔ جاگیرداری اور اسی قسم کے دیگر دقیانوسی نظام جو یورپ میں قرونِ وسطیٰ کی یادگاریں سمجھے جاتے ہیں آج بھی زیادہ تر مسلمان ملکوں میں موجود ہیں۔ سیاسی طور پر وہ زیادہ تر "طفلانہ جمہوریتیں" یا ڈنڈے کے زور سے چلنے والی حکومتیں ہیں۔ وہ جذبہ جس نے انقلابِ فرانس کو جنم دیا، ان ملکوں میں ابھی تک پیدا نہیں ہوا۔[1]

مسلمان ممالک میں یہ حالات یک لخت پیدا نہیں ہو گئے بلکہ پچھلے چھ سو سال سے نشو و نما پاتے رہے ہیں۔ اس سے پہلے مسلمانوں کی زندگی ہی اور تھی۔ یہ زندگی معلومات فراہم کرنے اور تحقیقات کرنے کے ذوق و شوق سے مملو تھی۔ بغداد جس کی بنیاد مسلمانوں نے ۷۶۲ء میں ڈالی بہت جلد شہری امن کا گہوارہ بن گیا۔ اس نے جلد ہی ایک نئے سائنسی دور، آزادئ خیال اور آزادئ رائے کے ایک نئے عہد کو جنم دیا۔ زراعت میں نئے سائنسی طریقے اختیار کئے گئے اور پرانے زرعی طریقوں کو جنہوں نے کبھی عراق کو دنیا کا سب سے زرخیز علاقہ بنا دیا تھا ترویج و ترقی دی۔ دورِ خلافت میں فنِ باغبانی کو بھی کافی فروغ ہوا۔ علاوہ ازیں بغداد تمام دنیا کے لئے تحصیلِ علم کا گہوارہ بن گیا۔ تعلیم یافتہ طبقہ ل جوق در جوق اسلامی مملکت سے آنے لگا جو یورپ کے مغربی ساحل پر واقع اسپین سے

نرق میں ہندوستان تک پھیلی ہوئی تھی اور ترکستان کے دو بڑے شہر بخارا اور سمرقند بھی اس میں تھے۔ بغداد میں کام اور انعام و اکرام کے زریں مواقع موجود تھے۔ ماضی کی ہر تہذیب یونانی، ، رومن، بازستانی، مصری، ہندی اور چینی نے اسلام کی تیزی سے پھیلتی ہوئی عالمی تہذیب درت گری میں حصہ لیا، یہ زمانہ بڑے جوش وخروش کا تھا۔ اس نے یورپ کی تمام اقوام کو متاثر ر یورپ میں ایک بیداری کی لہر پھونک دی جو نشاۃ ثانیہ کہلائی۔ [12]

اسلام کے ابتدائی زمانے میں بہت سے بڑے بڑے سائنس دان، فلسفی اور مؤرخ پیدا ہوئے۔ رزمی اپنے زمانے کا سب سے بڑا حساب دان تھا۔ اس کو صحیح طور پر موجودہ الجبرا کا بانی کہنا ہیے۔ اس نے سب سے پہلے فلکیاتی نقشے تیار کئے۔ الکندی نے اپنی تصانیف میں ہندوستانی سوں کو اتنا ترقی یافتہ بنا دیا کہ لوگ اس کے ماخذ کو بھول گئے۔ اور مغربی ممالک میں یہ عربی ہسوں ہی کے نام سے مشہور ہو گئے، پھر یہ مسلم ریاضی دان ہی تھے جنہوں نے اعلان کیا کہ سیارں مدار بیضوی ہے۔ انہوں نے زمین کے قطر کو کامیابی کے ساتھ ناپا۔ البتانی نے زمین کا سورج ے بعید ترین فاصلہ معلوم کیا۔ ابوالوفا نے چاند کی گردش میں تبدیلیوں کی نشان دہی کی۔ اور محمد بن ہی نے سیاروں کی گردش اور ان کی کشش سے متعلق تحقیقات کی۔ ان محققین نے کاپرنیکس ر نیوٹن[13] کے لئے راستہ ہموار کر دیا۔ ابھی حال ہی میں ایک روسی رسالہ کومسومولسکایا پراودا نے شارۃً کہا کہ نیوٹن کے دو عددی نظریہ کا حساب عمر خیام پہلے ہی نکال چکا تھا۔ جو بارہویں صدی کا ایرانی اعر اور ریاضی دان تھا۔[14] دوسرے بڑے علماء میں الرازی (جن کا انتقال ۹۲۲ عیسوی میں ہوا) طب و راحت میں لافانی شہرت کے مالک ہیں اور ابوالقاسم ایک مشہور و معروف سرجن ہیں۔ ان کے علاوہ بن سینا، البیرونی اور عرب کا سب سے بڑا کیمیادان جابر (جو یورپ میں گیبر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) یہ سب غیر معمولی تخلیقی صلاحیتوں کے مالک تھے۔

مسلمانوں نے اپنے سے پہلی تہذیبوں کے تجربات سے فائدہ اٹھانے میں پس و پیش نہیں کیا۔ انہوں نے فلسفہ اور سائنس سے متعلق دوسری زبانوں کی کتابیں ترجمہ کیں۔ ارسطو کے مکتبۂ خیال کو اچھی طرح سمجھا اور رومیوں کے قانون کو اپنایا۔ اس طرح انہوں نے فلسفہ، علم قانون، علم طب، علم نجوم اور ریاضی میں وہ کمال حاصل کیا جس سے گزشتہ تہذیبیں بے بہرہ تھیں۔ تاریخ میں پہلی مرتبہ الکیمیا کو سائن

کا درجہ ملا۔ مسلمانوں نے چینیوں سے قطب نما لیا اور اس کی مدد سے بحرِ روم، بحرِ عرب اور بحرِ ہند کو عبور کیا۔
انھوں نے کاغذ کی دستکاری اور بندوق کا بارود بنانا چینیوں سے سیکھا۔ عربوں نے ان کو ترقی دی اور
انھیں غیر چینی دنیا تک پہنچایا۔

اسلامی تمدن پہلے بغداد میں پروان چڑھا لیکن بہت جلد یہ دوسری مسلمان خلافتوں مثلاً قرطبہ، فاس
اور قاہرہ میں پھیل گیا۔ عرب اسپین میں اپنے ساتھ مصنوعی آب پاشی، ریشم، روئی، اونی اور سوتی کپڑے
بننے کی صنعت، فنِ کوزہ گری، برتنوں کو چمکانے اور خام دھات کو صاف کرنے کے فنون کے تجربات لائے۔
اسپین میں چاول، گنے، روئی اور نارنگیوں کی کاشت عربوں نے ہی رائج کی۔ ایک بربری مؤرخ مسلم اسپین
کے متعلق لکھتا ہے :۔

"........ اگر یورپ میں رہنے والے عیسائیوں کو جو شہروں کی اُداس اور تنگ گلیوں میں یا
ان خستہ حال جھونپڑیوں میں زندگی گزارتے تھے جو گنوار اور غیر مہذب امراء کے محلوں کے اردگرد
بکھری ہوئی تھیں، اس پُرمسرت اور روشن دنیا میں بھیجا جا سکتا تو وہ سمجھتے کہ ہم پریوں کے مسکن
میں آگئے ہیں اور وہ مذہبی رواداری اور ذہنی آزادی کی اس روح کو دیکھ کر جو اندلس کے خوشگوار
میدانوں میں جاری و ساری تھی، مجبور ہو جاتے کہ جن مسلمانوں سے ان کو نفرت تھی ان کے عقائد
اور دین سے موانست پیدا کر لیں[۵]۔"

اسپین نے بڑی تعداد میں سائنس داں، اطباء اور فلسفی پیدا کئے۔ ان میں ابن زہر کا خاندان
تھا جو دسویں صدی عیسوی کے شروع سے کر تیرہویں صدی عیسوی کے آخر تک پھلا پھولا۔ ان
میں قابلِ ذکر ابنِ عربی (۱۱۶۵ - ۱۲۴۰ء) الادریسی (۱۱۰۰ - ۱۱۵۴ء) ابنِ رشد (۱۱۲۶ - ۱۱۹۸ء)
اور ابن البیطار (۱۲۴۸ء وفات) ہیں۔ غرناطہ کی مسلم بربری سلطنت تقریباً تین سو سال تک اسپین
میں اسلامی تہذیب و ثقافت کا گہوارہ بنی رہی۔

ان دو مرکزوں کے علاوہ سسلی نے بھی جو آج بھی اٹلی کا سب سے کم ترقی یافتہ حصہ ہے
اسلام کا زرّیں دَور دیکھا پہلے مسلمانوں کے دورِ حکومت (۹۰۲ - ۱۰۹۱ء) میں اس کے بعد
شاہ راجر اوّل کے دورِ حکومت میں۔ ۱۲۵۸ء میں چنگیز خان کے لشکریوں نے انتہائی محنت سے
بنوا اسلامی تہذیب کا گہوارہ بغداد تباہ کر دیا۔ ۱۴۹۲ء میں غرناطہ کی تباہی نے اسلامی قوت

ب ۔آرٹ اور سائنس کے آخری مرکز کو ختم کر دیا۔

بغداد پر تاتاری حملے (۱۲۵۸ء) اور غرناطہ کی تباہی (۱۴۹۲ء) کے درمیانی وقفہ میں اسلامی
نت کے مشرقی کنارے پر ایک نئی قوت وجود میں آئی جو سلطنتِ عثمانیہ کے نام سے منسوب
۔ شروع میں اس سلطنت نے اپنی قوت بغداد سے حاصل کی مگر چند صدیوں بعد یہ خود ایک
ت بڑی سیاسی طاقت بن گئی۔ عثمانی ترکوں نے ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ کو فتح کر لیا اور اس
، بعد ان کی حکومت مشرقی یورپ تک پھیل گئی۔ ۱۵۲۹ء میں ترک ویانا تک پہنچ گئے اور سترہویں
ی کے وسط تک ایک ایسی طاقت ہے جس کا لوہا یورپ کے ممالک بھی مانتے تھے۔

ابتدائی مسلم اسپین اور بغداد کے برعکس سلطنتِ عثمانیہ اور دوسری مسلمان حکومتیں جو
ہندوستان اور ایران میں قائم ہوئیں اسلامی جذبۂ اخوت اور رواداری اور سائنسی ماحول کو قائم
رکھ سکیں۔ اس کی بجائے ان حکومتوں کی طاقت زیادہ تر دفاع یا توسیع پسندانہ عزائم کے لیے
بر محدود جنگیں لڑنے میں صرف ہوتی تھی۔ لیوئس نے سلطنت عثمانیہ کے زوال کے یہ اسباب
تائے ہیں۔ شاہ سلیمان کے زمانہ سے سلیمان کا اپنی حکومت کے معاملات میں ذاتی طور پر انتظام و
انصرام ترک کر دینا۔ ۱۵۸۴ء کے بعد وزیر اعظم کی طاقت اور استحکام کا فقدان۔ رفتہ رفتہ شاہی
خاندان کی رشوت ستانی میں اضافہ اور اس کا حکومت کے روزمرہ معاملات میں بڑھتا ہوا ناجائز
دخل اور بھاری ٹیکسوں کے ذریعہ کسانوں کا استحصال[16]۔ سائنس، فلسفہ اور آرٹ کے ترقی نہ کرنے
کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ قرطبہ اور بغداد کی طرح سلطنتِ عثمانیہ میں کوئی ادبی اور سائنسی مرکز
نہیں تھا۔ سلطنتِ عثمانیہ کا دارالخلافہ قسطنطنیہ کا پرانا شہر تھا لیکن یہاں علوم و فنون کی سرپرستی اور
اظہارِ رائے کی وہ آزادی میسر نہ تھی جو بغداد اور قرطبہ کی خلافتوں کے زمانے میں اہل علم و فضل کو حاصل
تھی۔ ہوٹنگر کا جو بہت عرصہ تک زور شے زرے تنگ کا مشرقِ وسطیٰ میں نمائندہ رہا خیال ہے کہ پرانے
استنبول میں (عثمانیہ دورِ حکومت میں) جو ظلم و استبداد عام تھا وہ علمی فضا کے پیدا ہونے اور
اصلی ترقی کی راہ میں سنگِ گراں ثابت ہوا[18]۔

مسلمان حکومتیں جو کبھی ترقی اور طاقت کا گہوارہ تھیں اپنی رہی سہی قوت سترہویں صدی کے
آخر تک کھو بیٹھیں۔ سترھویں صدی عیسوی میں سلطنت عثمانیہ کی کمزوری اور ۱۷۰۷ عیسوی میں

ہ اورنگ زیب کے انتقال نے مسلمانوں کی قوت کا بالآخر خاتمہ کر دیا۔ اس وقت سے اب
ی اقوام نے ان پر حملے کئے یا ان پر اثر انداز ہوئیں یا انھیں مفتوح بنائے رکھا۔ نوآبادیاتی
سلمانوں نے اپنی گری ہوئی پوزیشن کو تسلیم نہیں کیا، اور اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرنے
ل برابر جدوجہد کرتے رہے۔ کسی نہ کسی ملک میں جہاں نوآبادیاتی نظام تکمیل کو پہنچ چکا تھا
ھے راستے پر تھا مسلمانوں میں اس کے خلاف بے چینی کے آثار پائے جاتے تھے۔ بہادر شاہ
ں کے آخری تاجدار نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی لڑی۔ مہدی نے
-۱۸۸۲ء کے دوران سوڈان میں انگریزوں کے تسلط کے خلاف جنگ لڑی۔ آزادی
دں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں بڑے مصلح پیدا ہوئے جن میں قابل ذکر شاہ ولی اللہ دہلویؒ
ء وفات) اور محمد بن عبدالوہاب (۱۷۸۷ء وفات)، جمال الدین افغانی (۱۸۹۷ء-۱۸۲۸ء)،
(۱۹۰۵-۱۸۴۹ء)، سر سید احمد خان (۱۸۹۸-۱۸۱۷ء) اور ڈاکٹر محمد اقبال (۱۹۳۸-
، ہیں۔ ان تمام شخصیتوں نے مسلمانوں کی اصلاح کرنے اور مسلمان سوسائٹی کو اس بات
ں بنانے کی عظیم الشان کوشش کی کہ وہ اپنے کندھے سے غیر ملکی جوا اُتار کر پھینکیں اور اپنے
غیر ملکی اثرات سے آزاد کر لیں۔

فانستان میں امان اللہ خان نے اپنے ملک میں نئی روشنی پھیلانے کی کوشش کی، مگر وہ کامیاب
ے مجبوراً ان کو اپنا ملک چھوڑنا پڑا، اور جلاوطنی کی حالت میں اطالیہ میں ان کا انتقال ہوا۔
ترک نے اپنے ہم وطنوں کو جدت پسند (ماڈرن) بنانے کے لئے سخت اقدامات کئے۔
خلافت سے جمہوری مملکت میں تبدیل ہونے پر برکس BERKES حسب ذیل تبصرہ کرتا ہے:
ذہبی مملکت مذہب اور ریاست کا وہ پرانا رشتہ قائم نہ رکھ سکتی تھی جو روایتی معاشرہ
ہے۔ اس کی بجائے قومی مملکت ترکی انقلاب کے مقاصد (یعنی جدت پسندی اور اقتصادی
ل کرنے کا ذریعہ بن گئی۔ نتیجتہً ایک ایسی لادینی حکومت کا قیام عمل میں آیا جس میں
بی اور جدید اصلاحات کو ایک نئے نظام میں ڈھالا گیا۔ یہ سب لادینی پالیسی کے ماتحت
ہم مقاصد ایک جیسے ہوتے ہوئے بھی یہ نظام اپنے ذرائع و طریقہ ہائے عمل دونوں میں
لادینی حکومتوں سے مختلف تھا۔" ۱۸

نوآبادیاتی نظام کا دور ختم ہونے کے بعد کافی تعداد میں مسلمان ملک آزاد ہوگئے۔ انڈونیشیا کو ۱۹۴۵ء میں آزادی ملی، ۱۹۴۷ء میں پاکستان آزاد ہوا اور اسی طرح دوسرے مسلم ممالک جو مشرقِ بعید میں انڈونیشیا اور ملائیشیا کے، اور مغرب میں شمالی افریقہ کے مراکش کے درمیان واقع ہیں اور جن کی کل تعداد ۲۶ ہے اب بالکل آزاد ہیں۔ دنیا میں مسلمانوں کی آبادی ستر اور اسی کروڑ کے درمیان ہے۔ پاکستان اور انڈونیشیا سب سے بڑے مسلمان ممالک ہیں۔

نوآبادیاتی نظام سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد زیادہ تر مسلمان ممالک اب اپنے مسائل اور اپنی آرزوؤں کا نئے سرے سے جائزہ لے رہے ہیں۔ اور سوچ رہے ہیں کیا اقدامات کئے جائیں جن کے ذریعہ وہ ان قوموں کے قدم بقدم چل سکیں جو ترقی کی شاہراہ پہ گامزن ہیں۔

اس وقت بہت سے مسلمان ملک اپنے ترقی کے پروگراموں پر پانچ سالہ یا چھ سالہ منصوبوں کے تحت عمل کر رہے ہیں۔ ترقی کے طریقے الگ الگ ہیں جن میں جمال عبدالناصر کی عرب سوشلزم، شام میں بعث سوشلزم، پاکستان، ترکی، ایران اور تیونس میں حکومت اور نجی شعبوں کا ملا جلا ترقی کا پروگرام شامل ہیں۔

مسلمان ملکوں میں ترقی کی کوشش ایک نیا تجربہ ہے اور یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ ان مختلف راستوں میں سے کون سا راستہ آخرکار مسلمانوں کے لئے مناسب رہے گا۔

پھر بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ اب تک زیادہ تر مسلمان ملکوں میں معاشی اور اقتصادی ترقی غیر تسلی بخش رہی ہے۔ ان سنجیدہ کوششوں کے باوجود جو گزشتہ بیس سال سے جاری ہیں ان میں سے زیادہ تر ممالک کی اقتصادی حالت اس کی متحمل نہیں کہ فاقہ کشی، ناخواندگی، معاشرتی اور اقتصادی ناہموارگی اور سب سے زیادہ بے روزگاری کا قلع قمع کر سکے۔ ان ممالک کے لئے فی الحال غلہ کی کمی سب سے بڑا مسئلہ ہے حالاں کہ ان کے زیادہ تر مزدور زراعت سے متعلق ہیں۔ پاکستان ۱۹ بیس لاکھ ٹن ترکی اور متحدہ عرب جمہوریہ میں سے ہر ایک دس سے بیس لاکھ ٹن تک۔ اور کچھ عرصہ سے انڈونیشیا ایران اور مراکش بھی باہر سے غلہ منگانے والوں کی فہرست میں شامل ہو گئے ہیں۔ اور ان ممالک بیرونی تبادلہ مستقل دردِ سر بنا ہوا ہے۔

باب سوم

رہنما اسلامی ملکوں میں اب تک جو نتائج برآمد ہوئے ہیں ان کو دیکھتے ہوئے یہ دشوار نظر آتا ہے کہ مستقبل قریب میں کبھی اسلامی دنیا ترقی کے راستے پر کامیابی کے ساتھ گامزن ہو سکے گی۔ مسلمان ممالک کے مسائل بہت پیچیدہ اور نہایت سنجیدہ ہیں، جن پر جلد قابو پالینا آسان کام نہیں محض غیر ملکی امداد بڑھانے سے یا نجی بچت میں اضافہ کے لئے خانگی غیر منظم کوششوں سے معاشرتی اور اقتصادی ترقی کی رفتار بہتر نہیں ہو سکتی۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جو بیش بہا قربانیاں، ان تھک محنت اور انفرادی و اجتماعی نقطۂ نظر کی تبدیلی چاہتا ہے۔ اگر مسلمانوں کی اکثریت تجارتی کاروبار کا منافع عام اقتصادی شرح پر لینے اور دینے کو مسترد کرتی رہی جو ہر آزاد اقتصادی معاشرے کو دولت مند بنانے کے لئے ضروری ہے، اگر وہ مادی اہمیت کے زبردست فوائد پر غور کئے بغیر ان کو حقیر سمجھتی رہی۔ وہ عقیدہ قضا و قدر کے نام سے بے عملی اور کاہلی کو پرورش کرتی رہی۔ اگر وہ جاگیرداری نظام کے تحت رہنا برداشت کرتی رہی اور جہالت و ناخواندگی پر قانع رہی تو اس کی کوئی امید نہیں کہ وہ غربت سے نجات پاکر معقول حد تک سماجی انصاف حاصل کر سکے۔ جس طرح یورپ نے اپنے ہاں سے زندگی کا یہ جمود پے در پے انقلابات اور اتفاقی عملوں سے ختم کر دیا ہے، اسلامی معاشرہ کو بھی غیر معمولی اقدامات کرنے پڑیں گے۔ ضروری نہیں کہ یہ تبدیلیاں اتنی ہی تکلیف دہ ہوں جتنی یورپ میں ہوئیں مگر کسی قسم کی تیز رفتار معاشرتی اور اقتصادی ترقی کے لئے یہ ناگزیر ہیں۔

معاشرتی اور اقتصادی ترقی کے لئے مندرجہ ذیل باتیں شرط اولین ہیں:-

(الف) زرعی اصلاحات کا ایسا تعارف جو جاگیرداری کا خاتمہ کر دے۔

(ب) ناخواندگی کا خاتمہ کر کے بتدریج ایک موزوں و مناسب نظام تعلیم رائج کیا جائے۔

(ج) قسمت، عورتوں کا مرتبہ، تعدد ازدواج وغیرہ نیز مادیت کے مختلف پہلوؤں کے متعلق روایتی اسلامی نقطۂ نظر کی از سر نو تعبیر کی جائے۔

(د) اجتہاد اور اجماع جیسے اداروں کا احیاء کر کے انہیں پیشوائیت اور پاپائیت کی جگہ دلائی جائے۔

(ھ) جمہوری طرز حکومت کی اصولاً اور عملاً ترویج و ترقی۔

چند مسلمان ملکوں نے جن میں پاکستان اور متحدہ عرب جمہوریہ شامل ہیں اپنے ہاں زرعی اصلاحات

کی ہیں مگر دوسرے ممالک میں ان کا بے چینی سے انتظار کیا جا رہا ہے۔ دینی مسائل کی نئی تعبیر کے لئے سنجیدگی سے کوششیں جاری ہیں۔ پاکستان نے حال ہی میں ایک ادارہ تحقیقات اسلامی کی بنا ڈالی ہے جو اب اسلام آباد میں منتقل ہوگیا ہے تاکہ اس ادارہ کے ذریعہ بدلتے ہوئے حالات اور موجودہ ضروریات کی روشنی میں اسلام کی ترجمانی کی جا سکے۔

بہرحال ابھی تک اسلام کی کوئی تفسیر موجودہ دَور کے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لئے پیش نہیں کی جا سکی اور اس سلسلہ میں جو کوششیں کی گئیں وہ زیادہ کامیاب نہ ہوسکیں۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے دجو اس ادارہ کے سابق ڈائریکٹر تھے) مسلمان ممالک میں نئی روشنی اور ترقی کی بابت ایک مضمون میں اپنی ذاتی رائے مندرجہ ذیل الفاظ میں ظاہر کی ہے۔ یہ مضمون "اسلامک اسٹڈیز" راولپنڈی میں شائع ہوا۔

"مسلمان ابھی تک قرآن عظیم اور سنتِ رسول اللہ کو سمجھنے کا ایسا طریقہ معلوم نہیں کر سکے جس سے موجودہ دور کی ضروریات پوری ہوسکیں۔ حالانکہ مسلمان سوسائٹی کے مختلف طبقے نئے حالات کے مطابق اقتصادی ترقی کے مظاہر کو ماننے اور ساتھ ہی ساتھ اسلام کو بھی قائم رکھنے پر متفق ہیں ان کے لئے ایسا لائحہ عمل بنانا دشوار ہوگیا ہے جس میں ان دونوں کا بامعنی امتزاج ہو۔ جہاں تک علماء کا تعلق ہے وہ باوجود نئے دَور کی ایجادات سے پورا فائدہ اُٹھانے کے نہ صرف جدید تعلیمات کے نتائج کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں بلکہ وہ اس کے نتائج سے بالکل ہی بے بہرہ ہیں اور اپنی جگہ یہ سوچے بیٹھے ہیں کہ آج بھی اسلام کے روایتی عقائد جن کو قرون وسطیٰ کے فقہاء نے وضع کیا تھا اور روایتی تاکوجوں کا توں نئے اثرات سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً وہ جدید کارخانے اور ان کی مصنوعات کو تو خوش آمدید کہیں گے لیکن اسی وقت یہ سوچتے رہیں گے کہ منافع کے لین دین کی سختی سے ممانعت کی جا سکتی ہے۔" [20]

آج اسلامی معاشرہ جس دَور سے گزر رہا ہے یہ اس کی ایک صحیح تصویر ہے۔ ایک طرف تو خیالات کی مخالفت کی جارہی ہے اور دوسری طرف مادی ترقی کے لئے ہنگامہ برپا ہے۔ یہ انتشار غالباً اس وجہ سے ہے کہ "مسلمانوں کو نئی دنیا کا مقابلہ بغیر کسی تیاری کے کرنا پڑا ہے۔" [21]

مسلمان علماء کا یہ خیال ہوسکتا ہے کہ مسلم ممالک اب آزاد ہوچکنے کے بعد بہت تیزی سے ترقی کرلیں گے۔ مگر یہ جان لینا چاہیئے کہ ترقی یافتہ اقتصادی نظام کے پہلے مرحلہ تک پہنچنے کے لئے

ممالک کو کم ازکم پچاس سال کی مدت درکار ہوگی۔ اُس معاشرتی معیار پر پہنچنے کے لئے جو ترقی یافتہ ملکوں کا ہے۔ بقول پروفیسر کرسٹین سین ان کو دو سو سال کی طویل مدت درکار ہوگی۔ یہ نتیجہ اس اساس پر مبنی ہے کہ ترقی پذیر ممالک فی کس پیداوار میں تین فی صد سالانہ کا اضافہ کریں۔ جب کہ اس کے مقابلہ میں ترقی یافتہ ملکوں میں محض دو فی صد سالانہ اضافہ ہو۔ [۲۲]

اگرچہ آج کل مسلم ممالک میں معاشرتی اور اقتصادی ترقی کی موجودہ رفتار سست ہے تاہم اُمید ہے کہ یہ رفتار وقت کے ساتھ بڑھتی جائے گی۔ کیوں کہ روز بروز جہالت کم ہو رہی ہے، زیادہ موزوں نصاب نظامِ تعلیم میں شامل کئے جا رہے ہیں، پیشہ ورانہ مہارت کی تربیتی آسانیاں بہم پہنچائی جا رہی ہیں اور ان کی مزید ترویج و ترقی ہو رہی ہے۔ شہری آبادی میں نمایاں اضافہ ہو گیا ہے، مزدور طبقہ کی اکثریت منظم ہو گئی ہے اور روشن خیال لوگوں، تاجروں اور اہلِ علم کی ایک جماعت تشکیل پا رہی ہے جو بقول NIEHAUS معاشرتی نظریاتی اجتماع ہے جس کی مدد سے ترقیاتی عمل اسلامی معاشروں میں جڑ پکڑ رہا ہے۔ یہ ترقیاں جو صنعتی تبدیلیوں کے شانہ بہ شانہ ہو رہی ہیں ان سے دوسرے فائدوں کے علاوہ دینی پیشوائیت کی اہمیت ختم ہو جائے گی نیز جمہوری اور سائنٹیفک اداروں کو زیادہ طاقت مل جائے گی کہ وہ اسلامی قوانین کی بدلتے ہوئے حالات اور عہد حاضر کے تقاضوں کے مطابق تعبیر کر سکیں۔ جدید تعلیم کے پھیلنے سے ذہنی آزادی کو فروغ ہوگا۔ مختلف شعبوں اور سائنسی معلومات میں اضافہ ہوگا بہت سے اُلجھے ہوئے اور متنازع فیہ مسائل کی نئی تفسیر ہو سکے گی، مثلاً جائداد کے مالکانہ حقوق، منافع یا سود لینا۔ تعدد ازدواج وغیرہ جو صرف روایات کے پابند علماء کے فیصلہ پر نہیں چھوڑ دیئے جائیں گے علم معیشت کے ماہروں کو بھی برابر کا موقع دیا جائے گا کہ وہ ان مسائل کا حل اپنے علم کی روشنی میں تلاش کر سکیں۔ جب ہم اس منزل پر پہنچ جائیں گے تو اسلام اپنے موجودہ دقیانوسی اور مدافعانہ طرزِ عمل کو چھوڑ کر زیادہ سائنٹیفک اور ترقی پسند زاویۂ نظر کی جانب آ جائے گا۔ تحریک اصلاحِ مذہب، بعد ازاں عقلیت کے فروغ، نے عیسائی مذہب کے اقتدارِ اعلیٰ کے مالک پاپائے اعظم اور ان کے حاشیہ برداروں کی طاقت کو گھٹا دیا اور بدلتے ہوئے حالات میں مجبور ہو کر اور تیسری دنیا کے تقاضوں کے زیرِ اثر پوپ پال ششم نے ابھی حال کی ایک نشریاتی تقریر میں جائداد کو تو میلنے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ یہ صورت عوام کی بہبودی کے لئے اشد ضروری ہو۔ پوپ نے اپنے فرمان میں

پذیر ملکوں کے ان چند افراد کی شدید مذمت کی ہے جو عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہیں جب کہ
ی کا زیادہ حصہ افلاس کا شکار، اور موجودہ ترقی و تہذیب کے ثمرات سے محروم ہے۔ [۲۳]

وہ وقت دُور نہیں جب مسلم علماء بھی مختلف دینی مسائل کو وسعتِ نظر سے دیکھنے اور اسلام کے
ِلوں کی جدید تعبیرات کو ماننے پر مجبور ہو جائیں گے۔ انھیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اپنی معاشیات
بدید تقاضوں کے مطابق نیا لباس دینے کے لئے صرف یہی کہہ دینا کافی نہیں کہ قرآن مجید کی دینی تعلیمات
ِ کے لئے مثالی موزونیت رکھتی ہیں بلکہ اُنھیں بہت سے ایسے مثبت اقدامات کرنے پڑیں گے جن سے
ترقی کا نیا دستور وضع کر سکیں تاکہ اُن کے ہم مذہب نئی تبدیلیاں بہ دل و جان قبول کر لیں۔ [۲۴]

بعض رہنما مسلم ممالک اقتصادی اور معاشرتی ترقی کے ابتدائی مدارج شائد ۱۹۸۵ء تک طے کر
ِ لیکن اور مسلم ممالک شائد ۲۰۰۰ء تک اس درجہ پر پہنچ سکیں۔ دنیائے اسلام میں غربت آتنی عام
ہ اور ان کے اپنے ذرائع اس قدر محدود یا غیر ترقی یافتہ ہیں کہ وہ تھوڑی سی مدت میں اس دَور کے
پنچ کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ بن سکیں گے۔ یہ بات یقینی ہے کہ مسلمان ممالک متعدد سیاسی انقلابات
ر اقتصادی بحرانوں سے دوچار ہوں گے۔ بے روزگاری کے دباؤ، دولت کی غیر منصفانہ تقسیم یا بھوک
ر قحط سالی کے باعث اگر ایسا ہُوا تو ممکن ہے کہ بعض مسلم عوام ان نظریوں کو اپنا لیں جو اسلام کی روح
ر اسلامی افکار سے متصادم ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو اسلامی معاشرہ کو ایسے خطرہ کا سامنا کرنا پڑے گا جو
ِ کی تاریخ نے کبھی نہیں دیکھا۔

معاشرتی بحران اور خونی انقلابات سے بچنے کے لئے جو عموماً ایک فرقے یا جماعت کی دوسرے کے
ِ اتھ بُرے سلوک کا نتیجہ ہوتے ہیں، مسلمان ملکوں کو چاہیئے کہ وہ جاگیردارانہ اور دقیانوسی معاشرتی
قتصادی، سیاسی اور انتظامی ڈھانچوں اور اداروں سے، جہاں کہیں بھی ہوں نجات حاصل کر لیں اور
پنے عوام کو بتدریج نئی اقدار اور نئے افکار کو اپنانے کے لئے آمادہ کریں جو جدید ترقی کے لئے
ہت ضروری ہے۔ کاہلی، بے حسی، جوشِ عمل کا فقدان، احکامات کا بے سمجھے بوجھے روحانی اور
نیوی دونوں معاملات میں اتباع کرنا۔ دقیانوسی رسومات کو ماننا نیز منجمد اقتصادی اور معاشرتی
ِ اداروں کو ترک کر کے ان کی جگہ اب انھیں محنت سے کام کرنا ہو گا، کارگزاری اور جوشِ عمل میں اضافہ
کرنا ہو گا، انتظامی قابلیت کا معیار بلند کرنا اور اپنے اعمال و افکار کا محاسبہ کرنا ہو گا اور مزید برآں

ان کو اقتصادی، سیاسی، معاشرتی اور مذہبی اصلاحات کو اپنانے اور پھیلانے کے لئے آمادہ ہونا پڑے گا۔ یہ سب باتیں اقتصادی اور معاشرتی ترقی کے لئے لازم ہیں۔

مسلمان ملکوں کو ترقی یافتہ مغربی ممالک سے جس امداد کی فوری ضرورت ہے وہ صرف سرمایہ کی فراہمی ہی نہیں بلکہ وہ علمی خزانے بھی ہیں جن میں وہ "فنی مہارت، تجارتی، زراعتی اور صنعتی تجربات اور مہارت بھی شامل ہیں"[۲۵] جو یورپین ملکوں میں صدیوں سے جمع ہو رہے ہیں۔ اس قسم کی امداد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ تعلیمی نظام کو ترقی و توسیع دینے، تربیت کی آسانیاں پیدا کرنے، امداد باہمی کے خود کار اداروں کا جال بچھانے میں مدد دی جائے۔ امداد کے موجودہ تعلیمی پروگراموں کے ساتھ ساتھ جو ترقی پذیر ملکوں کے طلباء کو یورپ میں علم اور فنی تربیت حاصل کرنے میں معاون ہوتے ہیں، یہ بھی مناسب ہوگا کہ طلباء اور دانش وروں کو یورپ آنے کی دعوت دی جائے تاکہ وہ تہذیب و تمدن کے ان مدارج سے آشنا ہو سکیں جن سے یورپین ممالک تحریک احیائے علوم کے بعد گزرے ہیں۔ اگر تیسری دنیا میں بسنے والے پیشوا موجودہ ترقیاتی منصوبوں کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکے جیسے کہ "ثقافتی تبادلہ کی حرکت پذیری"[۲۶] کہتا ہے تو اقتصادی اور معاشرتی ترقی کا عمل ان کے لئے ایک سربستہ راز رہے گا۔

علاوہ ازیں مسلمان ممالک کو تعلیم و تربیت کی ترویج و ترقی پر اخراجات بڑھانے چاہئیں۔ اس وقت بہت ہی تھوڑے ممالک ایسے ہیں جو اپنی قومی آمدنی کا محض ایک دو فی صدی حصہ تعلیم و تربیت پر صرف کرتے ہیں جب کہ باقی ممالک اعشاریہ پانچ فی صدی یا اس سے بھی کم صرف کرتے ہیں۔[۲۷] قومی آمدنی میں سے حصولِ علم کے لئے اخراجات کم از کم ۵ سے ۶ فی صدی تک بڑھانے چاہئیں۔ اسی طرح امداد دینے والے ممالک کی ذہنی اور فنی تربیت کے لئے دی جانے والی امداد، جو اس وقت ان کی پوری امداد کا صرف دسواں حصہ ہوتی ہے بڑھا کر کم از کم پچیس فی صدی کر دینا چاہیئے۔ فنی اور علمی امداد ملے بغیر امداد پانے والے ممالک نہ تو مالی امداد کو صحیح طور پر استعمال کر سکیں گے اور نہ اپنے وسائل کو مناسب طور پر منظم کر سکیں گے۔

"تعلیم اور معلوماتی پروگراموں پر وافر رقم صرف کرنے کے علاوہ غریب ملکوں کو" ڈاکٹر پرنیا (DR PIRNIA) کے الفاظ میں "سائنسی نظریہ حیات پیدا کرنا چاہیئے اور مظاہر فطرت، سماج اور جدید ٹیکنیک میں علت و معلول کے رشتہ کو تسلیم کرنا چاہیئے۔"[۲۸]

[redacted]

بغیر ان تصورات اور اعمال کو سمجھے ہوئے جو برآمد کرنے والے ممالک میں ان ایجادوں کے محض صنعتی مشینوں کی تنصیب، امداد پانے والے ممالک کی ذہنی نشو ونما اور دولت کے حصول کم موثر اور سودمند ثابت ہوگی۔ ڈاکٹر پرنیا (DR. PIRNIA) کے الفاظ میں:

"غیر ترقی یافتہ ممالک میں بڑی بڑی فیکٹریاں اور پلانٹ اس عظیم الشان درخت کی شاخیں ہیں جو ان غیر ترقی یافتہ ممالک کے باہر ایک موزوں ذہنی اور معاشرتی ماحول میں اگا اور جس کی جڑوں کو ان ہی زمینوں میں پانی دیا جارہا ہے۔" [29]

متذکرہ بالا کوششوں کے ساتھ ساتھ مسلمان ممالک کے لئے یہ ضروری ہے کہ روایتی طریقوں سے ہٹ کر ترقیاتی کوششیں کریں اور اپنی کثیر افرادی طاقت کو سڑکیں بنانے، رسل ورسائل کو فروغ دینے، درخت لگانے، سیم اور تھور کا انسداد کرنے، بند باندھنے، نہریں کھودنے کاشت کے نئے طریقوں کو رائج کرنے کے لئے استعمال کریں[30]۔ باڑے (BAADA) کے اس بنیادی ذریعہ کا صحیح استعمال نہ کیا گیا اور کام کرنے والوں کو فنی اور ماہرانہ معلومات نہ دی گیا تو ہمیں شک ہے کہ ترقی کے لئے غیر ملکی امداد اور فرسودہ طریقۂ کار ترقی پذیر مسلمان ممالک اور جہالت کے زبردست مسائل کو حل کرسکیں۔" [31]

حواشی و حوالجات

۱۔ جان کالون۔ "انسٹی ٹیوٹ آف دی کرسچین ریلیجن"۔ ترجمہ ہنری بیوریج ٹی۔ ٹی۔ کلارک ۱۸۹۵ء (جلد اوّل۔ باب سولہواں۔ نوٹ ۷۔

۲۔ آئی۔ آر۔ سنائی "دی چیلنج آف ماڈرنائزیشن" چٹو اینڈ ونڈس۔ لندن۔ ۱۹۶۴

۳۔ ایضاً ص ۱۵۔

۴۔ ۔ الفریڈ ویبر۔ ص ۱۷۲ تا ۳۸۱ اور دیکھئے پال ہیزارڈ "دی یورپین مائنڈ" ۔ ۱۹۶۳ء پیلیکین بک ۱۹۶۴ء ص ۱۶۸ تا ۱۷۶۔

۵۔ روسو: "دی سوشل کونٹریکٹ اینڈ ڈسکورس" ایوری مینز لائبریری ص

۶ - سنائی - حوالۂ سابقہ ص ۲۰ -

۷ - الیضاً -

۸ - الیضاً ص ۲۰ تا ۲۱ -

۹ - الیضاً ص ۲۰ -

۱۰ - یہ ایک نئی اصطلاح ہے جو مصنف نے اختراع کی ہے "INFANT DEMOCRACY" سے وہ تمام جمہورتیں مراد ہیں جہاں سیاسی طاقت معدودے چند جماعتوں کے پاس ہوتی ہے اور جہاں کے عوام کا بڑا حصہ جہالت کا شکار رہتا ہے - پاکستان اور انڈونیشیا کو "INFANT DEM-OCRACIE" - کہا جا سکتا ہے -

۱۱ - دیکھئے ژاں پال سارتر - از فرانتز فینن - ۱۹۶۶ء - ص ۷ تا ۲۵ -

۱۲ - ایس - کوب - "اسلامک کنٹری بیوشنز ٹو سیولیزیشن" - واشنگٹن - ۱۹۶۳ء - ص ۱۸ -

۱۳ - پاکستان کے سائنٹیفک کمیشن کی رپورٹ - حکومتِ پاکستان - وزارت صنعت ۱۹۶۰ء ص ۷ -

۱۴ - "دی ٹائمز" - لندن ۲۹ جنوری ۱۹۶۳ء -

۱۵ - کوب - حوالۂ سابقہ - ص ۳۲ -

۱۶ - دیکھئے - برنارڈ لیوس "آٹمن آبزرورز آف آٹمن ڈیکلائن" "اسلامک اسٹڈیز" - کراچی - جلد اوّل - ۱ مارچ ۱۹۶۲ء ص ۷۱ تا ص ۸۳ -

۱۷ - آرنلڈ ہاٹنگر "یورپا آرچو" بان - ہفتہ - ن ر - ۶ - ۲۵ مارچ ۱۹۶۷ء - ص ۲۲۰ -

۱۸ - نیازی برکس "دی ڈیولیپمنٹ آف سیکولرزم ان ٹرکی" میکگل یونیورسٹی پریس ۱۹۶۴ء - ص ۵۱۰

۱۹ - پاکستان میں خاص طور سے صوبہ مغربی پاکستان میں اس کے اچھے امکانات ہیں کہ موجودہ پنج سالہ منصوبہ (۱۹۶۵ تا ۱۹۷۰ء) کے آخر تک وہ اپنی نجی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کافی غلہ پیدا کر سکے -

۲۰ - فضل الرحمٰن "دی امپیکٹ آف ماڈرنٹی آن اسلام" "اسلامک اسٹڈیز" - راولپنڈی جلد پنجم ۲ - جون ۱۹۶۶ء ص ۱۱۸ تا ۱۱۹ -

۲۱ - کان کاگاہا "اسلام اینڈ اے ماڈرن سوشل فورس" "دی ڈیولپنگ اکانومیز" جلد چہارم

۲۰۔ مارچ ۱۹۶۶ء، ٹوکیو۔ ص ۱۵۔

۲۲۔ تھامس کل کرٹینسن "دی ویلیشن آف اسٹیٹ الاؤنسز" یشنز اینڈ ڈیولپنگ کنٹریز۔ دی او ای سی ڈی آبزرور ۱۳ دسمبر ۱۹۶۴ء پیرس۔ ص ۴۔

۲۳۔ پوپ پال ششم: پاپولورم پروگریسو۔ سوزیالیز تلکیا: ۲۶ مارچ ۱۹۶۷ء۔ ص ۱۱۔

۲۴۔ دیکھئے، [illegible]

۲۵۔ کرٹینسن: حوالہ سابقہ ص ۴۔

۲۶۔ [illegible]

۲۷۔ پاکستان کے پنج سالہ منصوبہ میں تعلیم کے لئے کل خرچ کا صرف پانچ فی صدی مختص کیا گیا ہے۔

۲۸۔ حسین پیرنیا: مانڈ، نیٹر اینڈ ولیتھ: تحقیقات اقتصادیہ۔ تہران کی یونیورسٹی کے شعبہ تحقیقات اقتصادی کا سہ ماہی مجلہ۔ جنوری ۱۹۶۷ء۔ ص ۶۔

۲۹۔ ایضاً۔ ص ۹۔

۳۰۔ پاکستان اور دوسرے مسلم ممالک مثلاً مراکش اور تونس نے اپنی زائد افرادی طاقت کے دیہاتی علاقوں میں استعمال کا اچھا تجربہ کیا ہے۔ زیادہ تر پروگرام جو ورکس پروگرام کہلاتے ہیں اس فنڈ سے چلتے جو ان اجناس کی فروخت سے جمع ہوتا ہے جنہیں مملکت متحدہ امریکہ نے پبلک لا ۴۸۰ کے تحت مہیا کیا۔

۳۱۔ فوڈ [illegible] ۱۹۶۶ء [illegible] ۲۰۴۔